ہے''

سوشیلا: ''ابھی چولہے کے آگے اس سے بیٹھا نہ جائے گا''

سبھا: ''کام کرنے ہی سے آتا ہے''

سوشیلا: ''(جھینپتے ہوئے) پھول سے گال کملا کر رہ جائیں گے''

دوسرے دن سے برجن کھانا پکانے لگی۔ پہلے دن پانچ دن اسے چولہے کے سامنے بیٹھنے میں سخت تکلیف ہوئی۔ آگ نہ جلتی۔ پھونکنے لگتی تو آنکھوں سے پانی بہتا، اور بوٹی کی طرح لال ہو جاتیں۔ چنگاریوں سے کئی ریشمی ساڑھیاں تیاناس ہو گئیں۔ ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ مگر رفتہ رفتہ یہ سب مصیبتیں رفع ہو گئیں۔ سبھا ایسی نیک مزاج عورت تھی کہ کبھی ناراض نہ ہوتی۔ ہمیشہ چمکار کر اسے کام میں لگائے رکھتی۔

ابھی برجن کو کھانا پکارتے دو ماہ سے زیادہ نہ گزرے ہوں گے کہ ایک دن اس نے پرتاپ سے کہا۔ ''للو مجھے کھانا پکانا آ گیا ہے''

پرتاپ: ''سچ''

برجن: ''کل چچی نے میرا کھانا کھایا تھا۔ بہت خوش ہوئیں''

پرتاپ: ''تو بھئی ایک میری بھی دعوت کر دو''

برجن: (خوش ہو کر) ''اچھا کل''

دوسرے دن نو بجے برجن نے پرتاپ کو کھانے کے لیے بلایا۔ اس نے جا کر دیکھا تو چوکا لگا ہوا ہے۔ تازی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو آ رہی ہے، آسن صفائی سے بچھا ہوا ہے۔ ایک تھالی میں چاول اور چپاتیاں ہیں۔ دال اور ترکاریاں الگ الگ کٹوروں میں رکھی ہوئی ہیں اور لوٹا اور گلاس پانی سے بھرا ہوا موجود ہے۔ یہ صفائی اور سلیقہ دیکھ کر پرتاپ سیدھا دوڑتا ہوا منشی سنجیون لال کے پاس گیا۔ اور انہیں لا کر چوکے کے سامنے کھڑا کر دیا۔ چٹ کپڑے اتار کر منشی جی فرط حیرت کے ساتھ ہاتھ

پیر دھو کر پرتاپ کے ساتھ جا بیٹھے۔ بے چاری برجن کو کیا معلوم تھا کہ حضرت بھی بن بلائے مہمانج ہو جائیں گے۔ اس نے صرف پرتاپ کے لیے کھانا بنایا تھا۔ اس وقت بہت شرمائی اور نیچی نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھنے لگی۔ سوشیلا تاڑ گئی، مسکرا کر منشی جی سے بولی ''تمہارے لیے کھانا تیار ہے۔ لڑکے کے بیچ میں کیا آ کے کود پڑے''

برج رانی نے شرماتے ہوئے دو تھالیوں میں تھوڑا تھوڑا کھانا پروسا

منشی جی: ''برجن نے چپاتیاں خوب بنائی ہیں۔ نرم، سفید اور میٹھی''

پرتاپ: ''چاول دیکھئے بکھیر دو اور چن لو''

منشی جی: ''میں نے ایسی چپاتیاں کبھی نہیں کھائیں، سالن بہت لذیذ ہے''

پرتاپ: ''برجن چچا کو شوربے دار آلو دو''

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگا، برجن نے لجا کر سر نیچا کر لیا، بلی خشک ہو رہی تھی

سوشیلا: (شوہر سے) ''اب اٹھو گے بھی؟ ساری رسوئی چٹ کر گئے اور ابھی اڑے بیٹھے ہو''

منشی جی: ''کیا تمہاری رال ٹپک رہی ہے؟''

آخر دونوں آدمی رسوئی کا صفایا کر کے اٹھے۔ منشی جی نے اسی وقت ایک اشرفی نکال کر برجن کو انعام دی۔

6

ڈپٹی شیاما چرن

ڈپٹی شیاما چرن کا رعب سارے شہر پر طاری تھا۔ شہر میں کوئی ایسا حاکم نہ تھا جس کی لوگ اتنی عزت کرتے ہوں۔ اس کا باعث کچھ تو یہ تھا کہ وہ مزاج کے بہت خلیق اور حلیم تھے اور کچھ یہ کہ رشوت سے انہیں قطعی احتراز تھا۔ منصفانہ نگاہ ایسے باریک تھی کہ دس بارہ سال کے عرصے میں مشکل سے ان کے دو چار فیصلوں کی اپیل ہوئی ہو

گی۔ انگریزی کا ایک حرف نہ جانتے تھے۔ مگر اچھے اچھے بیرسٹروں اور وکیلوں کو بھی ان کی قانونی دستگاہ اور نکتہ رسی پر حیرت ہوتی تھی۔ مزاج میں آزاد پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مکان اور کچہری کے سوا کسی نے انہیں اور کہیں آتے جاتے نہیں دیکھا۔ منشی سالگرام جب تک زندہ رہے یا یوں کہو کہ موجود تھے تو کبھی کبھی ان کے یہاں تفریحاً چلے جاتے تھے۔ جب سے وہ لاپتہ ہوئے ڈپٹی صاحب نے گھر چھوڑ کر ہلنے کی قسم کھالی۔ کئی برس ہوئے ایک بار کلکٹر صاحب کے سلام کو حاضر ہوئے۔ خانساماں نے کہا صاحب غسل کر رہے ہیں۔ دو گھنٹے تک برآمدے میں ایک مونڈھے پر بیٹھے انتظار کرتے رہے۔ اس کے بعد صاحب بہادر ہاتھ میں ایک ٹینس بیٹ لیے نکلے اور معذرت کے طور پر کہا ''بابو صاحب ہم کو بہت افسوس ہے، کہ آپ کو راہ دیکھنا پڑا۔ ہمیں آج فرصت نہیں ہے۔ کلب گھر جانا ہے، آپ پھر کبھی آویں'' یہ سن کر انہوں نے صاحب بہادر کو فرشی سلام کیا اور اتنی سی بات پر پھر کسی انگریز کی ملاقات کو نہ گئے۔

بابو شیاما چرن اگرچہ کسی معنی میں حریص شہری نہ تھے۔ مگر اپنے نام نیک کو بدنامی کی ہوا سے بچاتے رہتے تھے۔ خاندانی اعزاز اور وجاہت پر بھی انہیں کسی قدر ناز تھا۔ اپنی وضع کے وہ بڑے رنگین مزاج آدمی تھے۔ ان کی باتیں ظرافت سے بھری ہوتی تھیں۔ شام کے وقت جب وہ چند منتخب احباب کے ساتھ صحن میں بیٹھتے تو ان کے قہقہہ کی آواز باغیچے سے سنائی دیتی تھی۔ نوکروں چاکروں سے بہت بے تکلفی کا برتاؤ رکھتے۔ یہاں تک کہ ان کے ساتھ الاؤ کے گرد بیٹھنے سے عار نہ تھا۔ مگر ان کا رعب کچھ ایسا چھایا ہوا تھا کہ کسی کو ان کی کمزوریوں سے بے جا فائدہ اٹھانے کی جرأت نہ ہوسکتی تھی۔ وضع قطع سادہ رکھتے۔ کوٹ پتلون سے انہیں نفرت تھی۔ بٹن دار اونچی اچکن اس پر ایک ریشمی کام کی عبا، سیاہ شملہ، ڈھیلا پاجامہ اور دلی کی ساخت کا نوکدار جوتا ان کی خاص وضع تھی۔ ان کے دوہرے بدن سرخ و سفید چہرہ اور درمیانہ قد پر

جس قدر یہ لباس زیب دیتا تھا، اتنا کوٹ پتلون سے ممکن نہ تھا۔

مگر ڈپٹی شیاما چرن کا رعب چاہے سارے شہر میں چھایا ہوا ہو خود اپنے گھر کی چہار دیواری میں ان کی ایک نہ چلتی تھی۔ یہاں مسز شیاما چرن کی عملداری تھی۔ اور وہ اپنے ممالک محروسہ میں مطلق العنانی کے ساتھ راج کرتی تھیں۔ نوکروں کا تقرر، ان کی برخاستگی، ان کی سزا، خانگی ضروریات، لین دین، غرض ان کل امور میں انہیں سیاہ و سفید کا اختیار تھا۔ کئی برس گزرے ڈپٹی صاحب نے پریم وتی کی مرضی کے خلاف ایک مہراجن نوکر رکھ لی۔ مہراجن ذرا رنگیلی تھی۔ پریم وتی اپنے شوہر کی اس مداخلت بے جا پر ایسی برہم ہوئی کہ ہفتوں تک کوپ بھون میں بیٹھی رہی۔ آخر زچ ہو کر ڈپٹی صاحب نے مہراجن کو رخصت کر دیا۔ تب سے انہیں پھر خانگی معاملات میں رخنہ ڈالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حالانکہ بے چارے بہت متقی اور پاک نفس آدمی تھے۔ اور اب سن بھی چالیس سے متجاوز ہو گیا تھا مگر پریم وتی کے دل میں ابھی تک ان کی جانب سے بدگمانی تھی۔ اس کا مزاج خلقتاً تحکمانہ واقع ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسے جھوٹی شیخی اور بڑے بول سے سخت نفرت تھی۔ جب کبھی وہ شہر میں کسی کے یہاں تقریبوں میں شریک ہونے کے لیے جاتی تو گویا یہ مسلمہ بات تھی کہ وہاں بدمزگی ضرور پیدا ہو گی۔ عورتوں کو بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے وقت دیکھ کر اس سے ضبط نہ ہوتا اور برس پڑتی۔ امر حق کے اظہار سے وہ کبھی نہ چوکتی۔ چاہے اس کی پاداش میں اسے تو تو میں میں بھی کیوں نہ کرنا پڑے۔ طعنوں کے تیر چبھونے میں تو اسے خاص ملکہ تھا۔

منشی جی کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ بڑا لڑکا رادھا چرن رڑکی کالج میں پچھلے سال ڈگری حاصل کر چکا تھا۔ اس کی شادی فتح پور سیکری کے ایک متمول گھرانے میں ہو گئی تھی۔ چھوٹا لڑکا کملا چرن ابھی تک بن بیاہا تھا۔ پریم وتی نے بچپن ہی سے لاڈ پیار کر کے اسے ایسا بے باک اور بد ذوق بنا دیا تھا کہ اس کی طبیعت پڑھنے لکھنے کی

طرف ذرا بھی مائل نہ ہوتی۔ پندرہ برس کا ہو چکا تھا مگر ابھی تک سیدھا سا خط لکھنے کی بھی تمیز نہ تھی۔ میاں جی کئی بیٹھے مگر اس نے مہینہ بھر کے اندر نکال کر دم لیا۔ مدرسے میں نام بھی لکھایا گیا۔ مگر وہاں جاتے ہی اسے بخار چڑھ جاتا۔ دردسر شروع ہو جاتا۔ اس لیے وہاں سے بھی اٹھا لیا تب ایک ماسٹر صاحب اتالیقی پر مامور ہوئے۔ مگر ان کی تین مہینے کی دوران ملازمت میں کملا چرن نے مشکل سے تین سبق پڑھے ہوں گے۔ آخر ماسٹر صاحب بھی رخصت ہوئے۔ تب ڈپٹی صاحب نے خود پڑھانے کی ٹھانی مگر ایک ہی ہفتہ میں انہیں کئی بار کملا چرن کا سر ہلانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ گواہوں کے بیانات اور وکلا کی جرحوں کی تہہ تک پہنچنا اتنا مشکل نہیں تھا جتنا کسی بدشوق لڑکے کے دل میں تعلیم کی رغبت پیدا کرنا۔ پریم وتی نے اس مار دھاڑ پر ایسی واویلا مچائی کہ آخر ڈپٹی صاحب نے بھی جھلا کر چھوڑ دیا۔ کملا کچھ ایسا قبول صورت، ایسا نازک بدن اور شیریں زبان تھا کہ ماں اسے سب لڑکوں سے زیادہ چاہتی۔ اس کی ناز برداریوں نے کملا کو کنکوے بازی، کبوتر بازی اور اسی قبیل کے دوسرے مشاغل کا دلدادہ بنا دیا۔ صبح ہوئی اور کبوتر اڑائے جانے لگے۔ بٹیروں کے جوڑ چھوٹنے لگے شام ہوئی اور کنکوے کے لمبے لمبے پیچ ہونے لگے۔ کچھ دنوں سے جوئے کا چسکا بھی پڑ چلا تھا۔ آئینہ، کنگھی اور عطر تیل میں تو گویا اس کی جان بستی تھی۔ سن ابھی کچھ نہ تھا مگر شہدوں کے فیض صحبت سے نظر بازی میں شہرہ آفاق تھے۔

پریم وتی ایک دن سبھا سے ملنے گئی۔ وہاں اس نے برج رانی کو دیکھا اور اسی دن سے اس کا دل للچایا ہوا تھا کہ اگر یہ بہو بن کر میرے گھر میں آئے تو گھر کے بھاگ جاگ اٹھیں۔ ایک رازداں عورت کے ذریعہ سے سوشیلا پر اپنا عندیہ ظاہر کیا۔ برجن کو تیرہواں سال شروع ہو چکا تھا۔ اور میاں بیوی میں شادی کے متعلق صلاح و مشورہ ہو رہا تھا۔ پریم وتی کا عندیہ پا کر دونوں پھولے نہ سمائے۔ ایک تو جان پہچان

کا آدمی پھر عالی خاندان، لڑکا ذہین اور تعلیم یافتہ اور موروثی جائیداد کثیر، اگر ان سے ناتا ہو جائے تو کیا پوچھنا، چٹ پٹ باقاعدہ طور پر پیغام کہلا بھیجا۔ اس طرح اتفاقات نے اس زہریلے درخت کا بیج بو دیا جس نے تین ہی برس میں خاندان تباہ کر دیا۔ مستقبل ہماری نگاہوں سے کیسا پوشیدہ رہتا ہے۔ جوں ہی پیغام پریم وتی پھولی نہ سمائی۔ ساس نند اور بہو میں باتیں ہونے لگیں۔

بہو: (چندرا) ''کیوں اماں کیا آپ اسی سال بیاہ کریں گی؟''

پریم وتی: ''اور کیا تمہارے لالہ جی کے ماننے کی دیر ہے''

بہو: ''کچھ تلک جہیز بھی بنایا''

پریم وتی: ''تلک جہیز ایسی لڑکیوں کے لیے نہیں بنایا جاتا۔ جب ترازو میں پاسنگ اور لڑکی لڑکے کے برابر نہ ٹھہرے تب جہیز کا پاسنگ بنا کر اسے برابر کر دیتے ہیں۔ ہماری برج رانی کملا سے بہت بھاری ہے''

سیوتی: ''کچھ دنوں گھر میں خوب چہل پہل رہے گی۔ بھابی گیت گائیں گی۔ میں ڈھولک بجاؤں گی، کیوں بھابی؟''

چندرا: ''مجھے ناچنا گانا نہیں آتا''

چندرا کی آواز بھاری تھی۔ جب گاتی تو راگ میں بے سرا پن آ جاتا۔ اس لیے اسے گانے سے چڑ تھی۔

سیووتی: ''تم آپ ہی کہو، تمہارے گانے کی سنسار میں دھوم ہے؟''

چندرا جل گئی۔ تیکھی ہو کر بولی ''جسے ناچ گا کر دوسروں کو لبھانا ہو وہ ناچنا گانا سیکھے''

سیوتی: ''تم ذرا سی دل لگی میں ناراض ہو جاتی ہو، ذرا وہی گیت گاؤ'' تم تو شیام بڑے بے کھبر ہو اس وقت سننے کو بہت جی چاہتا ہے۔ مہینوں سے تمہارا گانا نہیں سنا

چندرا: ''تمہی گاؤ، تمہارا گلا کوئلوں کا سا ہے''

سیوتی: ''لے اب تمہاری یہی شرارت اچھی نہیں لگتی، میری بھابی ذرا گاؤ''

چندرا: ''میں اس وقت ہرگز نہ گاؤں گی، کیا مجھے ڈومنی مقرر کیا ہے؟''

سیوتی: ''میں تو بنا گیت سنے آج تمہارا پیچھا نہ چھوڑوں گی''

سیوتی کی آواز نہایت دلکش اور سریلی تھی۔ خدوخال بھی دلفریب، چمپئی رنگ، رسیلی آنکھیں پیازی رنگ کی ساڑھی اس پر خوب کھل رہی تھی۔ آپ ہی آپ گانے لگی۔

تم تو شیام بڑے بے کھبر ہو　　تم تو شیام

آپ تو شیام پیو دودھ کے کلہڑ　　میری تو پانی پر گجر، پانی پر گجر ہو

تم تو شیام

''دودھ کے کلہڑ'' پر بے اختیار ہنسی پڑی۔ پریم وتی بھی مسکرائی، مگر چندرا روہانسی ہوگئی۔ بولی ''بنا ہنسی کی ہنسی مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی، اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟''

سیوتی: ''آؤ ہم تم مل کر گائیں''

چندرا: ''کوئل اور چیل کا کیا ساتھ''

سیوتی: ''غصہ تو تمہاری ناک پر رہتا ہے''

چندرا: ''تو ہمیں کیوں چھیڑتی ہو؟ ہمیں گانا نہیں آتا مگر کوئی تم سے شکایت کرنے تو نہیں جاتا''

''کوئی'' کا اشارہ رادھاچرن کی طرف تھا۔ چندرا میں چاہے اور کوئی گن نہ ہو مگر شوہر کی خدمت دل و جان سے کرتی تھی، ان کا سر ذرا دھمکا اور اس کی جان نکلی۔ ان کو گھر آنے میں ذرا دیر ہوئی اور یہ بے قرار ہونے لگی۔ جب سے وہ رڑکی چلے گئے تھے تب سے چندرا کا ہنسنا بولنا چھوٹ گیا۔ ان کی خوشی اس کے ساتھ چلی گئی تھی۔ انہی باتوں نے رادھاچرن کو بیوی کا شیدا بنا دیا تھا۔ حسن سلیقہ اور یہ گن محبت کے مقابلہ میں بہت ارزاں چیزیں ہیں۔ محبت حسن سلیقہ اور گن کی سب خامیاں پوری کر

دیتی ہے۔

سیوتی: ''شکایت کیوں کرے گا، کوئی تو تم پر دل و جان سے رجھا ہوا ہے''

چندرا: ''ادھر کئی دن سے خط نہیں آیا''

سیوتی: ''تین چار دن ہوئے ہوں گے''

چندرا: ''تم سے ہاتھ جوڑ کے ہار گئی تم لکھتی ہی نہیں''

سیوتی: ''اب وہی باتیں روز روز کون لکھے۔ کوئی نئی بات ہو تو لکھنے کا جی چاہے''

چندرا: ''آج شادی کا حال لکھ دینا، لاؤں قلم دوات''

سیوتی: ''مگر ایک شرط پر لکھوں گی''

چندرا: ''بتاؤ''

سیوتی: ''تمہیں شام والا گیت گانا پڑے گا''

چندرا: ''اچھا گاؤں گی، ہنسنے ہی کو جی چاہتا ہے نا؟ ہنس لینا''

سیوتی: ''پہلے گانا تو لکھوں''

چندرا: ''نہ لکھو گی، پھر باتیں بنانے لگو گی''

سیوتی: ''تمہاری قسم لکھ دوں گی، گاؤ''

چندرا گانے لگی

تم تو شیام پیو دودھ کے کلہڑ میری تو پانی پہ گجر، پانی پہ گجر ہو

تم تو شیام بڑے بے کھبر ہو

آخری الفاظ کچھ اس بے سرے پن سے نکلتے تھے کہ ہنسی کا ضبط کرنا محال تھا۔ سیوتی نے روکا مگر ہنسی نہ رک سکی۔ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔

چندرا نے دوسرا بند گایا۔

آپ تو شیام رکھو دودو لغیاں (لگائیاں) میری تو آپی پہ نجر آپی پہ نجر ہو

تم تو شیام

لغیاں پر سیوتی ہنستے ہنستے لوٹ گئی۔ چندرا نے آب دیدہ ہو کر کہا، اب تو خوب ہنس چکیں، ''لاؤں قلم دوات؟''

سیوتی: ''نہیں نہیں، ابھی ذرا ہنس لینے دو''

سیوتی ہنس رہی تھی کہ بابو کملاچرن باہر سے تشریف لائے۔

پندرہ سولہ برس کا سن تھا۔ گورا گورا رنگ، چھریرا بدن، خوش رو، چہرہ زرد، پر تکلف پوشاک زیب تن کیے۔ عطر میں بسے ہوئے، آنکھوں میں سرمہ، لبوں پر مسکراہٹ اور ہاتھ میں بلبل، آ کر چارپائی پر بیٹھ گئے۔

سیوتی بولی: ''کملو منہ میٹھا کراؤ تو تمہیں خوشخبری سنائیں، سنتے ہی پھڑک اٹھو گے''

کملا: ''منہ تو تمہارا آج ضرور میٹھا ہوگا چاہے خوشخبری سناؤ نہ سناؤ۔ آج اس شیر نے وہ میدان مارا ہے کہ باید وشاید''

یہ کہہ کر کملاچرن نے بلبل کو انگوٹھے پر بٹھالیا

سیوتی: ''میری خبر سنتے ہی ناچنے لگو گے''

کملا: ''تو بہتر ہے آپ نہ سنائیے۔ میں تو آج یوں ہی ناچ رہا ہوں، اس شیر نے آج ناک رکھ لی۔ سارا شہر دنگ رہ گیا۔ نواب منے خاں بہت دنوں سے ایں جناب کی آنکھوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ ایک مہینہ ہوتا ہے میں ادھر سے نکلا تو آپ فرمانے لگے۔ میاں کوئی پٹھا تیار ہو تو لاؤ۔ دو چونچیں ہو جائیں۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنا پرانا بلبل دکھایا۔ میں نے عرض کیا بندہ نواز، ابھی تو نہیں مگر ایک مہینے میں انشاء اللہ آپ سے ضرور ایک جوڑ ہوگی اور بدبدکر، آج آغا شیر علی کے اکھاڑے میں بدان کی ٹھہری، پچاس پچاس روپیہ کی بازی تھی۔ لاکھوں آدمی جمع تھے۔ نواب کا بلبل جہاں دیدہ، یقین مانو سیوتی کمبخت کبوتر کے برابر تھا۔ مگر جس وقت یہ پٹھا چلا ہے تو اس کی اٹھی ہوئی گردن، مستانہ چال اور گھٹیلے پن پر لوگ واہ واہ کرنے لگے۔ جاتے

جاتے ہی اس نے اس کا ٹیٹوا لیا مگر وہ بھی محض بھولا نہ تھا۔ سارے شہر کے بلبلیوں کو سر کیے ہوئے تھا۔ زور سے لات چلائی۔ اس نے خالی دی اور پھر جھپٹ کر اس کی چوٹی دبائی۔ اس نے پھر چوٹ کی، یہ نیچے آیا اور چوطرفہ نمل مچ گیا۔ مارا مارا دیا۔ تب تو ایں جناب کو بھی غصہ آیا۔ ڈپٹ کر جو للکارتا ہوں تو یہ اوپر اور وہ نیچے دبا ہوا۔ پھر تو اس نے ہزار ہزار بار سر پٹکا کہ اوپر آ جائے مگر اس شیر نے ایسا دابا کہ سر نہ اٹھانے دیا۔ نواب صاحب خود موجود تھے۔ بہت چیخے چلائے مگر کیا ہو سکتا تھا۔ اس نے ایسا دبوچا تھا جیسے باز چڑی کو، آخر کمبخت بگٹٹ بھاگا، اس نے پالی کے اس سرے تک پیچھا کیا مگر نہ پا سکا۔ لوگ حیرت سے دنگ رہ گئے۔ نواب صاحب کا تو چہرہ فق ہو گیا۔ ہوائیاں اڑنے لگیں۔ روپیہ ہارنے کی تو انہیں کچھ پرواہ نہیں تھی۔ لاکھوں کی آمدنی ہے۔ مگر شہر میں جوان کی دھاک جمی ہوئی تھی وہ جاتی رہی۔ روتے ہوئے گھر کو سدھارے۔ سنتا ہوں یہاں سے جاتے ہی اپنے بلبل کو زندہ دفن کر دیا۔''

یہ کہہ کر کملا چرن نے جیب کھنکھنائی

سیوتی: ''تو پھر کھڑے کیا کر رہے ہو، آگرہ والی دوکان پر آدمی بھیجو''

کملا: ''تمہارے لیے کیا لاؤں بھابی؟''

سیوتی: ''دودھ کے کلہڑ''

کملا: ''اور بھیا کے لیے؟''

سیوتی: ''دو دو لغیاں''

یہ کہہ کر دونوں قہقہے لگانے لگے

7

سرد مہری محبت کو بھلا نہیں سکتی!

سبا مادل و جان سے شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی۔ صبح سے شام تک شادی ہی کے دھندوں میں الجھی رہتی۔ سوشیلا لونڈیوں کی طرح اس کے حکم کی تعمیل

کیا کرتی۔ منشی سنجیون لال صبح سے شام تک خاک چھانتے رہتے۔ اور برجن جس کے لیے یہ سب تیاریاں ہو رہی تھیں اپنے کمرے میں دن رات بیٹھی رویا کرتی تھی۔ کسی کو اتنی فرصت بھی نہ تھی کہ دم بھر کو اس کا جی بہلائے۔ یہاں تک پرتاپ بھی اس کی صورت سے بیزار نظر آتا تھا۔ وہ بہت اداس رہتا تھا۔ سویرے کا نکلا ہوا شام کو گھر آتا اور اپنی منڈیر پر چپ چاپ جا بیٹھتا۔ برجن کے گھر نہ جانے کی تو اس نے قسم ہی کھالی تھی۔ بلکہ جب کبھی وہ آتے ہوئے دکھائی دیتی تو چپکے سے سرک جاتا۔ یا اگر کہنے سننے سے بیٹھتی بھی تو کچھ اس طرح منہ پھیر لیتا اور ایسی خشکی سے پیش آتا کہ برجن رونے لگتی۔ اور سبھا سے جا کر کہتی۔ ''چچی للو مجھ سے ناراض ہیں۔ میں بلاتی ہوں تو بھی نہیں بولتے تم چل کر منا دو۔ یہ کہہ کر وہ مچل جاتی اور سبھا کا آنچل پکڑ کر کھینچتی ہوئی پرتاپ کے گھر لاتی۔ جیسے کوئی فریادی اپنے حمایتی کو ساتھ لائے۔ مگر پرتاپ دونوں کو دیکھتے ہی بھاگ نکلتا اور برج رانی دروازے تک اس کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی آتی کہ للو ذرا سن لو۔ تمہیں ہماری قسم ذرا سن لو، مگر جب وہ نہ سنتا اور نہ ہی منہ پھیر کر دیکھتا تو بے چاری لڑکی زمین پر بیٹھ جاتی اور خوب پھوٹ پھوٹ کر روتی اور کہتی یہ مجھ سے کیوں روٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے تو انہیں کبھی کچھ نہیں کہا۔ سبھا اسے سینے سے لگا لیتی اور سمجھاتی بیٹھی جانے دو للو پاگل ہو گیا ہے۔ اسے بیٹے کی سرد مہری کا راز معلوم ہو گیا تھا''

آخر شادی کو صرف پانچ دن رہ گئے۔ عزیز و اقارب دور و نزدیک سے آنے لگے۔ برجن کو باہر نکلنے کی ممانعت ہو گئی۔ کنگن بدھا گیا۔ آنگن میں خوبصورت منڈوا چھا گیا۔ یہ کچے دھاگے کا کنگن پاک فرائض کی ہتھکڑی ہے جو کبھی ہاتھ سے نہ نکلے گی۔ اور اس محبت اور شفقت کے سائے کی یادگار ہے۔ مرتے دم تک سر سے نہ اٹھے گا۔ آج شام کو سبھا سوشیلا مہراجنیں سب کی سب مل کر دیوی جی کی پوجا کرنے لگیں۔ مہریاں اپنے دھندوں میں لگی ہوئی تھیں۔ برجن گھبرا کر اپنے کمرے سے نکلی

اور پرتاپ کے گھر آ پہنچی۔ چوطرفہ سناٹا چھایا ہوا تھا۔ صرف پرتاپ کے کمرے میں دھندلی سی روشنی کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ برجن کمرے میں داخل ہوئی تو کیا دیکھتی ہے۔ میز پر لیمپ روشن ہے اور پرتاپ ایک کھری چارپائی پر پڑا سو رہا ہے۔ دھندلی روشنی میں اس کا چہرہ بہت پژمردہ اور مغموم نظر آتا تھا۔ سب چیزیں ادھر ادھر بے قرینہ پڑی ہوئی تھیں۔ فرش پر منوں گرد جمع تھی۔ کتابیں بکھری ہوئی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کمرہ کو کسی نے مہینوں سے نہیں کھولا۔ یہ وہی پرتاپ تھا جو صفائی پر جان دیتا تھا۔ برجن نے چاہا اسے جگا دوں۔ مگر پھر کچھ سوچ کر وہ زمین سے کتابیں اٹھا اٹھا کر الماریوں میں رکھنے لگی۔ میز پر سے گرد جھاڑی۔ تصویروں کے منہ سے گرد کی نقاب اٹھائی کہ دفعتاً پرتاپ نے کروٹ بدلی۔ اور اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ ''برجن میں تمہیں نہیں بھول سکتا'' پھر ذرا دیر کے بعد ''برجن!! کہاں جاتی ہو۔ یہیں بیٹھو'' پھر کروٹ بدل کر۔ نہ بیٹھو گی۔ اچھا جاؤ میں تم سے نہ بولوں گا پھر ذرا ٹھہر کر ''اچھا جاؤ دیکھیں کہاں جاتی ہو؟'' یہ کہہ کر وہ لپکا جیسے کسی بھاگتے ہوئے آدمی کو پکڑ رہا ہو۔ برجن کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ ایک منٹ تک اس کی بے معنی نگاہیں برجن کے چہرے پر گڑی رہیں۔ پھر چونک کر اٹھ بیٹھا اور برجن کا ہاتھ چھوڑ کر بولا ''تم کب آئیں برجن؟ میں ابھی ابھی تمہارا خواب دیکھ رہا تھا''

برجن نے بولنا چاہا مگر گلا رندھ گیا اور آنکھیں بھر آئیں۔ پرتاپ نے ادھر ادھر نظر دوڑا کر پھر کہا ''کیا یہ سب تم نے صاف کیا؟ تمہیں بڑی تکلیف ہوئی ہوگی''

برجن نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا

پرتاپ: ''برجن تم مجھے بھول کیوں نہیں جاتیں؟''

برجن نے پرنم آنکھوں سے دیکھ کر کہا ''کیا تم مجھے بھول گئے ہو؟''

پرتاپ نے نادم ہو کر سر جھکا لیا۔

تھوڑی دیر تک دونوں خیالات سے بھرے زمین کی طرف تکتے رہے۔ پھر برجن نے پوچھا ''تم مجھ سے ناراض کیوں ہو؟ میں نے کوئی خطا کی ہے؟''

پرتاپ: ''نہ جانے کیوں اب تمہیں دیکھتا ہوں تو جی چاہتا ہے کہیں چلا جاؤں''

برجن: ''کیا تم کو میری بھی محبت نہیں معلوم ہوئی؟ میں دن بھر رویا کرتی ہوں، تمہیں مجھ پر ترس نہیں آتا تم مجھ سے بولتے تک نہیں، بتلاؤ میں نے تمہیں کیا کہا کہ تم اتنا روٹھ گئے''

پرتاپ: ''میں تم سے روٹھا تھوڑے ہی ہوں''

برجن: ''تو مجھ سے بولتے کیوں نہیں؟''

پرتاپ: ''میں چاہتا ہوں کہ تمہیں بھول جاؤں تم امیر ہو۔ تمہارے ماں باپ ہیں میں یتیم ہوں، میرا تمہارا کیا ساتھ؟''

برجن: ''اب تک تو تم نے یہ حیلہ نکالا نہیں تھا۔ کیا اب میں زیادہ امیر ہو گئی ہوں؟''

یہ کہہ کر برجن رونے لگی۔ پرتاپ بھی پسیجا اور بولا ''برجن ہمارا تمہارا بہت دنوں تک ساتھ رہا۔ اب بچھڑنے کے دن آ گئے۔ چند دنوں میں تم یہاں والوں کو چھوڑ کر سسرال چلی جاؤ گی اس وقت مجھے ضرور بھول جاؤ گی۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تمہیں بھول جاؤں۔ مگر کتنا ہی چاہتا ہوں کہ تمہاری باتیں بھول جاؤں مگر وہ نہیں مانتیں ابھی سوتے میں تمہارا ہی سپنا دیکھ رہا تھا''

ڈپٹی شیاما چرن کا مکان آج حسینوں کے جمگھٹ سے اندر کا اکھاڑا بنا ہوا تھا۔ سیوتی کی چار سہیلیاں رکمنی، سیتا، رام دئی، چندر کنور بھی سولہوں سنگھار کیے اٹھلاتی پھر رہی تھیں۔ ڈپٹی صاحب کی بہن جانکی کنور بھی اپنی دو لڑکیوں کے ساتھ اٹاوہ سے آ گئی تھیں۔ ان دونوں کا نام کملا اور امادئی تھا۔ کملا کا بیاہ ہو چکا تھا۔ امادئی ابھی کنواری تھی۔ دونوں آفتاب و مہتاب، منڈپ کے تلے ڈومنیاں اور گائنیں سہاگ

الاپ رہی تھیں۔ گلبیا نائن اور جمنی کمہارن دونوں شوخ رنگ کی ساڑھیاں پہنے۔ مانگ سیندور سے بھرے گلٹ کے کڑے پہنے چھم چھم کرتی پھرتی تھیں۔ گلبیا شوخ و شنگ اور نوجوان تھی جبکہ جمنی کا سن ڈھل چکا تھا اور سیوتی کا کیا پوچھنا۔ آج اس پر غضب کا نکھار تھا۔ رسیلی آنکھیں فرط مسرت سے متوالی ہو رہی تھیں اور گلابی ساڑھی کی جھلک سے چمپئی رنگ گلابی نظر آتا تھا۔ دھانی مخمل کی کرتی اس پر خوب کھلتی تھی۔ ابھی نہا کر آئی تھی۔ اس لیے ناگن کی سی لٹیں شانوں پر لہرا رہی تھیں۔ چھیڑ چھاڑ اور چہل سے اتنی فرصت نہ ملتی تھی کہ ذرا بال گندھا لے۔ گہنے باہر سنار صاف کر رہا تھا لیکن ہاتھوں میں صرف کڑے تھے۔ یہ سادگی اس پر ہزار زیوروں سے زیادہ زیب دیتی تھی۔ مہاجن کی بیٹی مادھوی چھینٹ کا لچکے دار لہنگا پہنے آنکھوں میں کاجل لگائے اندر باہر ایک کیے ہوئے تھی

رکمنی نے سیوتی سے کہا ''سنو تمہاری بھاوج کہاں ہیں۔ دکھائی نہیں دیتیں، کیا ہم لوگوں سے پردہ ہے؟'' رام دئی مسکرا کر ''پردہ کیوں نہیں ہماری نظر نہ لگ جائے گی''

یہ کہہ کر چندرا کے کمرے میں وہ پہنچی۔ وہ ایک معمولی سی ساڑھی پہنے چارپائی پر پڑی دروازہ کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے تھی۔ اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھی سیوتی نے کہا'' یہاں کیا پڑی ہوا کیلئے تمہارا جی نہیں گھبراتا؟''

چندرا: ''اونھ کون جانے، ابھی کپڑے نہیں بدلے''

سیوتی: ''تو بدلتی کیوں نہیں سکھیاں تمہاری راہ دیکھ رہی ہیں''

چندرا: ''ابھی میں نہ بدلوں گی''

سیوتی: ''یہ ضد اچھی نہیں لگتی، سب اپنے دل میں کیا کہتی ہوں گی؟''

چندرا: ''تم نے تو چٹھی پڑھی تھی۔ آج ہی آں ے کو لکھا تھا؟''

سیوتی: ''اچھا تو یہ ان کا انتظار ہو رہا ہے۔ یہ کہیے جبھی یہ جوگ سادھا ہے''

چندرا: ''دوپہر تو ہوگئی شاید اب نہ آئیں گے''

اتنے میں کملا اور امادئی دونوں طرارے بھرتی آ پہنچیں۔

چندرا نے گھونگھٹ نکال لیا اور فرش پر آ بیٹھی۔ کملا اس کی بڑی نند تھی۔

کملا: ''ارے ابھی تو انہوں نے کپڑے بھی نہیں بدلے''

سیوتی: ''بھیا کی بات جوہ رہی ہیں۔ اسی لیے یہ بھیس رچایا''

کملا: ''پاگل ہے انہیں غرض ہوگی تو خود آئیں گے''

سیوتی: ''ان کی دنیا نرالی ہے''

کملا: ''مردوں کی محبت چاہے کتنی کرلو مگر زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالو۔ نہیں تو وہ شیر ہو جاتے ہیں۔ خواہ مخواہ ستانے اور جلانے لگتے ہیں۔ اگر تم ان کی کچھ پرواہ نہ کرو۔ سیدھے منہ بات نہ کرو تو تمہاری ہر طرح سے خاطر کریں گے۔ تم پر جان واریں گے۔ مگر جوں ہی انہیں معلوم ہوا کہ اب اس کے دل میں میری جگہ ہوگئی ہے بس اسی دن سے ان کی نگاہ پلٹ جائے گی۔ سیر کو جائیں گے تو خواہ مخواہ دیر کر کے آئیں گے۔ کھانے بیٹھیں گے تو منہ جوٹھا کر کے اٹھ جائیں گے۔ بات بات پر روٹھیں گے۔ تم روؤ گی تو منائیں گے۔ اور دل میں خوش ہوں گے کہ کیسا شکار ہاتھ لگا ہے۔ تمہارے سامنے دوسری عورتوں کی تعریف کریں گے۔ غرض تمہیں جلانے میں انہیں مزہ آنے لگے گا۔ اب میرے ہی گھر میں دیکھو۔ پہلے اتنی خاطر کیا کرتے تھے کہ کیا بتاؤں۔ ہر دم نوکروں کی طرح ہاتھ باندھے حاضر۔ پنکھا جھلنے کو تیار، ہاتھ سے لقمہ کھلانے کو موجود، یہاں تک کہ (مسکرا کر) پیر دبانے سے بھی عار نہ تھا۔ بات منہ سے نکلی اور پوری ہوئی۔ میں اس وقت اکیلی تھی۔ مردوں کے داؤ پیچ کیا جانوں، دام میں آ گئی۔ سیوتی جھوٹ نہ ماننا۔ اسی دن سے ان کی آنکھ بدل گئی۔ لگے سیر سپاٹے کرنے اور ایک روز روٹھ کر چل دیئے۔ آدھی رات کو گجرا گلے میں ڈالے عطر میں بسے ہوئے گھر آئے۔ بچہ سمجھتے تھے کہ آج پھر ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو

گی۔ میں نے لمبی تانی تو رات بھر کروٹ نہ بدلی۔ دوسرے دن بھی نہ بولی۔ آخر لالہ جی آئے۔ پاؤں پر گرے اور گڑگڑائے۔ تب سے میں نے یہ بات گرہ میں باندھ لی ہے کہ کبھی مردوں سے محبت نہ جتاؤ''

سیوتی: ''جیجا جی کو میں نے دیکھا ہے، بھیا کی شادی میں آئے تھے۔ بڑے ہنس مکھ آدمی ہیں''

کملا: ''پاربتی ان دنوں پیٹ میں تھی۔ اس لیے میں نہ آسکی تھی۔ یہاں سے گئے تو لگے تمہاری تعریف کرنے۔ تم کبھی پان دینے گئی تھیں، کہتے تھے کہ میں نے ہاتھ پکڑ کر بٹھالیا اور خوب خوب باتیں ہوئیں''

سیوتی: ''جھوٹے ہیں زمانے بھر کے لپاڑیے۔ بات یہ ہوئی کہ گلبیا اور جمنی دونوں کسی کام سے باہر گئی ہوئی تھیں۔ اماں نے کہا وہ کھانا کھا کر گئے ہیں۔ پان بنا کر دے آ۔ میں پان لے کر گئی۔ چارپائی پر لیٹے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی اٹھ بیٹھے۔ میں نے پان دینے کو ہاتھ بڑھایا تو میری کلائی پکڑ لی اور کہنے لگا ایک بات سن لو۔ ایک بات سن لو، مگر میں ہاتھ چھڑا کر بھاگی''

کملا: ''نکلی نہ جھوٹی بات، وہی تو میں بھی کہوں کہ ابھی گیارہ برس کی چھوکری نے ان سے کیا باتیں کی ہوں گی۔ مگر نہیں اپنی ہی ضد کیے جائیں۔ مرد بڑے ڈینگیے ہوتے ہیں۔ میں نے یہ کہا میں نے وہ کہا، میرا تو ان باتوں سے جی جلتا ہے، نہیں معلوم انہیں اپنے اوپر جھوٹی تہمت لگانے میں کیا مزہ آتا ہے۔ آدمی جو برا بھلا کرتا ہے اس پر پردہ ڈالتا ہے۔ مگر یہ لوگ کریں گے تھوڑا مگر ڈینگ مارنے کو ہر دم تیار۔ میں تو جب سے ان کی ایک بات بھی سچ نہیں مانتی''

اتنے میں گلبیا نے آ کر کہا ''تم تو یہاں ٹھاڑھی بتلات ہو اور تمہاری سکھی تمکا آنگن میں بلاتی ہیں''

سیوتی: ''دیکھو بھائی اب دیر نہ کرو گلبیا! ان کے صندوق سے کپڑے تو نکال

دے'' کملاچندرا کا سنگھار کرنے لگی۔ سیوتی سہیلیوں کے پاس آئی ہے۔

رکمنی بولی: ''واہ بہن خوب! وہاں جا کر بیٹھ رہیں، تمہاری دیواروں سے ہنسیں بولیں کیا؟''

سیوتی: ''کملا بہن چلی گئیں تھیں۔ ان سے بات چیت ہونے لگی۔ دونوں آ رہی ہیں''

رکمنی: ''لڑکوری ہیں نہ؟''

سیوتی: ''تین ہوئے تھے۔ ایک پار سال مر گیا تھا۔ دو موجود ہیں''

رام دئی: ''مگر کاٹھی بہت اچھی ہے''

چندا کنور: ''مجھے ان کا مانک بہت پسند آیا۔ جی چاہتا ہے چھین لوں''

سیتا: ''مانک واقعی بہت اچھا ہے، دونوں بہنیں ایک سے ایک بڑھ کر ہیں''

رکمنی: ''آ گئی طبیعت پر، اما دئی مرد نہ ہوئیں نہیں تو تم پر جان دینے لگتیں''

سیتا: ''دوسروں پر تو وہ جان دے جس کا دولہا کم رو ہو۔ یہاں تو لاکھ دو لاکھ میں ایک ہے۔ رکمنی کے شوہر ذرا رنگ کے گہرے ہیں اور نقشہ بھی سڈول نہیں تھا''

رکمنی ''صورت لے کر چاٹی نہیں جاتی''

سیتا: ''وہ تو دل ہی جانتا ہوگا۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ چاہے روکھی روٹی کھانے کو ملے، جھونپڑے میں رہنا پڑے مگر صورت دیکھتے ہی سب دکھ دور ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ بھنگی صورت دیکھ کر بخار چڑھ آئے۔ جی متلانے لگے''

سیوتی: ''سیتا کو ایشور نے برا اچھا دیا ہے۔ اس نے سونے کی گڑیا پوجی تھی''

رکمنی: (جل کر) ''گورے چمڑے سے کچھ نہیں ہوتا''

سیتا ''تمہیں کالا ہی پسند ہوگا''

سیوتی: ''مجھے کالا بر ملتا تو زہر کھا لیتی''

رکمنی ''یوں کہنے کو جو چاہے کہہ لو مگر سچ پوچھو تو آرام کالے ہی دولہا سے ملتا ہے''

سیوتی: ''آرام کہیں خاک ملتا ہے، گہن سا آ کے لپٹ جاتا ہوگا''

رکمنی: ''یہی تو تمہاری لڑکپن کی باتیں ہیں۔ تم نہیں جانتی خوبصورت مرد ہمیشہ اپنے ہی بناؤ سنگھار میں لگا رہتا ہے۔ اسے اپنی بیوی کا کچھ خیال نہیں رہتا۔ اگر عورت بے حد خوبصورت ہو تو خیر ورنہ تھوڑے ہی دنوں میں اس سے دور بھاگنے لگتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں ایسی دوسری عورتوں کے دل پر آسانی سے قابو پا سکتا ہوں۔ بے چارہ کالا کم رو آدمی خوبصورت بیوی پا جاتا ہے تو سمجھتا ہے مجھے ہیرے کی کان مل گئی ہے۔ صورت کی کسر وہ پیار اور خاطر داری سے پوری کرتا ہے۔ اس کے دل کو ہمیشہ یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ میں ذرا بھی اس سے ترش ہوا تو مجھ سے نفرت کرنے لگے گی۔ میں اگر آدھی رات کو کہوں کہ گرم گرم حلوہ کھلاؤ تو ممکن نہیں کہ اسی وقت حکم کی تعمیل نہ کریں۔ آج کسی گہنے کی فرمائش کر دوں تو گھر بیچ کر حاضر کریں''

چندا کنور: ''دولہا سب سے اچھا وہ جو منہ سے بات نکلتے ہی پوری کرے''

رام دئی: ''تم اپنی بات نہ چلاؤ تمہیں تو اچھے اچھے گہنوں سے سروکار ہے۔ دولہا کیسا ہی ہو''

سیتا: ''نا معلوم کوئی اپنے مرد سے کسی چیز کی فرمائش کیسے کرتا ہے۔ کیا لحاظ نہیں معلوم ہوتا''

رکمنی: ''تم بے چاری کیا فرمائش کرو گی، کوئی بات تو پوچھے''

سیتا: ''میرا تو انہیں دیکھ کر ہی جی بھر جاتا ہے۔ گہنے کپڑے کی طرف طبیعت ہی نہیں جاتی''

سیوتی: ''سیتا کا خوب جوڑ ہے''

رام دئی: ''جوڑ تو پوچھو تو چندا کنور اور کلونت رائے کا ہے''

سیوتی: ''یہ انہیں دباتی ہوں گی تو بے چارے گھگیانے لگتے ہوں گے''

چندا کنور: ''بھاری بھر کم گداز جسم کی نازنین تھی۔کلونت رائے منحنی اور ضعیف القامت تھے''

رام دئی: ''اپنی قسمت کو کوستے ہوں گے کہ ایسی دیوانی کہاں سے پائی''

چندا کنور: ''جب دیکھو بدہضمی کا شکار، دو چپاتیاں کھائیں اور بدہضمی، ناک میں دم''

سیوتی: ''بے چارے تم سے ڈرتے ہوں گے''

سیتا: ''ان کے سامنے بچے معلوم ہوتے ہیں، یہ چاہیں تو انہیں گود میں کھلائیں''

رکمنی (جل کر) ''بس سارے زمانے میں ایک تم اچھی ہو اور ایک تمہارا دولہا باقی سب بے جوڑ''

سیتا: ''تمہیں کاہے کو کڑوا لگتا ہے''

اتنے میں ایک اور نازنین جلوہ افروز ہوئیں۔ گہنے سے گوندنی کی طرح لدی ہوئی، پر تکلف جوڑا پہنے، عطر میں بسی ہوئی، سرمہ سے لیس، آنکھوں سے شوخی و شرارت برس رہی تھی۔

رام دئی: ''آؤ رانی تمہاری ہی کسر تھی''

رانی: ''کیا کروں نگوڑی نائن سے کسی طرح پیچھا ہی نہیں چھوٹتا تھا۔کلثوم کی ماں آئی تب جا کے جوڑا باندھا''

سیتا: ''تمہاری جا کٹ پر نثار ہونے کو جی چاہتا ہے''

رانی: ''اس کا قصہ کچھ نہ پوچھو، کپڑا دیئے مہینہ بھر ہوا، دس بارہ مرتبہ درزی سی کر لایا، مگر کبھی آستین ڈھیلی کر دی، کبھی بخیہ بگاڑ دیا، کبھی چنت خراب کر دی، بارے ابھی چلتے چلتے دے گیا ہے''

سیوتی: ''البیلے یہی ہیں، یا کہیں گئے ہوئے ہیں''

رانی: ''میری بلا جانے جیسے گنتا گھر رہے ویسے رہے بدیس''

یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ مادھوی خل مچاتی ہوئی آئی ''بھیا آئے ہیں ان کے ہمراہ جیجا جی بھی ہیں۔ اوہو ہو''

رانی: ''کیا رادھا چرن آئے ہیں کیا؟''

سیوتی: ''ہاں چلو ذرا بھابی کو سندیسا دے آؤں۔ کیوں رے کہاں بیٹھے ہیں''

مادھوری، ''اسی بڑے کمرے میں جیجا جی پگڑی باندھے ہیں۔ بھیا کوٹ پہنے ہیں، مجھے بھیا نے روپیہ دیا ہے، یہ کہہ کر اس نے مٹھی کھول کر دکھائی''

رانی: ''ستو اب منہ میٹھا کراؤ''

سیوتی: ''کیا میں نے کوئی منت مانی تھی؟''

سیتا؟ ''باچھیں کھلی جا رہی ہیں۔ آنکھوں میں نشہ آ گیا ہے''

رانی: ''یہ سادگی تم پر پھبتی ہے، خاصی پری معلوم ہوتی ہو''

سیوتی: (چندرا کے کمرے میں آ کر بولی) ''لو بھابی تمہارا شگون ٹھیک اترا''

چندرا: ''کیا آ گئے ذرا جا کر اندر بلا لو''

سیوتی: ''ہاں مردانے میں چلی جاؤں۔ تمہارے بہنوئی صاحب بھی پدھارے ہیں''

چندرا: ''باہر بیٹھے کیا کر رہے ہیں؟ کسی کو بھیج کر بلا لیتیں۔ نہیں تو دوسروں سے باتیں کرنے لگیں گے''

یکا یک کھڑاؤں کی آواز آئی اور رادھا چرن آئے ہوئے دکھائی دیئے۔ سن چوبیس پچیس سال سے زائد نہ تھا۔ بہت ہی خوش رو سرخ و سفید، انگریزی تراش کے بال، فرنچ تراش کی داڑھی، کھڑی مونچھیں، لونڈر کی لپٹیں آ رہی تھیں۔ بدن پر صرف ایک ریشمی مہین کرتا تھا۔ آ کر چارپائی پر بیٹھ گئے اور سیوتی سے بولے، ''کیوں ستو! ہفتہ بھر سے خط نہیں بھیجا''

سیوتی: ''میں نے سوچا اب تو آ ہی رہے ہو کیا خط بھیجوں''